"تاریخ جماعتِ اسلامی" حصہ دوم' باب اوّل

تاسیس و قیامِ جماعت

(آخری قسط)

آباد شاہ پوری

رکنیت کی حلف برداری

دستور کی منظوری کے بعد شرکائے اجتماع نے جماعت میں شرکت کا حلف اٹھایا۔ سب سے پہلے سید مودودیؒ اٹھے' کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کا اعادہ کیا اور فرمایا: لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سرِ نو ایمان لاتا اور جماعتِ اسلامی میں شریک ہوتا ہوں ۳۷۔ سید صاحبؒ کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کھڑے ہوئے اور کلمۂ شہادت ادا کر کے جماعت میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ پھر باری باری دوسرے اصحاب کھڑے ہوتے اور کلمۂ شہادت ادا کر کے جماعت میں شریک ہوتے گئے۔ پوری مجلس پر رقّت کا عالم طاری تھا' اکثر حضرات کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہر شخص کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے کانپ رہا تھا' شدتِ جذبات سے ہچکی بندھنے لگتی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شہادت کی اس ذمہ داری کو وہ زمین اور آسمان کے بوجھ سے زیادہ وزنی سمجھ کر اٹھا رہا ہے ۳۸۔ بہت سے زار زار رو رہے تھے مولانا محمد منظور نعمانی کا تاثر سب سے شدید تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے ۳۹۔

ادائے شہادت کا مرحلہ طے ہو چکا ۴۰۔ تو سید مودودیؒ نے اسلامی جماعت کی حیثیت' اس کے منشاء اور نصب العین پر پھر ایک مرتبہ روشنی ڈالی اور حاضرین کو آگاہ کیا کہ انہوں نے آج کتنا بڑا عہد کیا ہے اور اس کو کس طرح بناہنا چاہیے' پھر فرمایا کہ اب جماعتِ اسلامی کی تشکیل ہو گئی ہے' آیئے ہم سب مل کر رب العالمین سے دعا کریں کہ وہ ہماری جماعت کو استقامت اور استقلال بخشے اور ہم کو اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کی سنت کے مطابق چلنے کی توفیق عطا کرے۔ پھر مولانا محمد منظور نعمانی نے دعا شروع کی اور دیر تک لوگ خدا کے حضور روتے اور گڑگڑاتے

رہے ۴۱۔' اجتماعی دعا کے یہ لمحات بھی بڑے اثر انگیز اور کیف آور تھے۔ ایسے کیف آور کہ میاں طفیل محمد کے بقول "اس اجتماع میں جو لوگ شریک تھے وہ اس کی کیفیات کو عمر بھر نہ بھول سکے ہوں گے" ۴۲۔ دعا کے بعد اجتماع اگلے روز کے لئے برخاست ہو گیا ۴۳۔

انتخابِ امیر

۳ شعبان (۲۷ اگست) صبح آٹھ بجے پھر اجتماع شروع ہوا۔ اس کا اہم ترین موضوعِ کار امیرِ جماعت کا انتخاب تھا۔ اس موقع پر کہ جماعتی زندگی کا آغاز ہو رہا تھا' سید صاحبؒ نے اسلامی نقطہ نظر سے اس زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس سلسلے میں آپؒ نے جو طویل تقریر کی اس کے نمایاں نکات حسب ذیل تھے:

۱۔ جماعت کے ہر فرد کو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے صدقِ دل کے ساتھ نظامِ جماعت کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ جماعت کی بدخواہی یا افرادِ جماعت سے کینہ' بغض' حسد' بدگمانی اور ایذا رسانی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایمان کے منافی بدترین جرائم ہیں۔

۲۔ جماعتِ اسلامی کی حیثیت دنیوی پارٹیوں کی سی نہیں ہے جو "میری پارٹی خواہ حق پر ہو یا ناحق پر" کی بنیاد پر اپنا رویہ متعین کرتی ہیں' ہمیں اللہ پر ایمان کے رشتے نے ایک دوسرے سے جوڑا ہے۔ اس ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ ہماری دوستی اور دشمنی' محبت اور نفرت جو کچھ بھی ہو اللہ کے لئے ہو۔ ہم اللہ کی نافرمانی میں نہیں' فرمانبرداری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

۳۔ ایمان باللہ ہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جماعت کی خیر خواہی کریں۔ اس کو بیرونی حملوں اور اندرونی امراض سے بچانے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں' اس کو راہ راست سے ہٹنے نہ دیں' اس کے اندر غلط مقاصد' غلط خیالات اور غلط طریقوں کو پھیلنے سے روکیں' اس کے اندر نہ تو نفسیاتی دھڑے بندیاں پیدا ہونے دیں اور نہ کسی کا استبداد چلنے دیں' کسی دنیوی غرض اور شخصیت کو بُت نہ بننے دیں اور اس کے دستور کو بگڑنے سے بچائیں۔

۴۔ رفقائے جماعت کا فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں' اس خیر خواہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنی جماعت کے آدمیوں کی بے جا حمایت کریں اور ان کی غلطیوں میں ان کا ساتھ دیں بلکہ یہ ہے کہ معروف کاموں میں باہم تعاون کریں اور منکر میں نہ صرف عدم تعاون کریں بلکہ دوستانہ دردمندی اور اخلاص کے ساتھ ان کی اصلاح کی عملاً کوشش کریں'

انھیں راہ راست سے نہ بھٹکنے دیں اور کوئی ساتھی اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں۔

۵۔ جماعت کے اندر جماعت بنانے کی کبھی کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ سازشیں' جتھہ بندیاں' تجویٰ (Convessing)' عہدوں کی امیدواری' حمیتِ جاہلیہ اور تنابز بالالقاب اور بدظنی جماعتوں کی زندگی کے لئے مہلک بیماریاں ہیں' ان سے بچنا چاہیے۔

۶۔ جماعتی کاموں میں رفقائے جماعت سے مشورہ لینا جماعتی ذمہ داروں کا فرض ہے۔ جس سے مشورہ لیا جائے اس کا فرض ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق اپنی رائے صاف صاف بیان کر دے۔ ایسا نہ کرنا جماعت پر ظلم کے مترادف ہے اور کسی مصلحت کی بنا پر اپنی صوابدید کے خلاف رائے دینا جماعت کے ساتھ غداری اور مشاورت کے موقع پر اپنی رائے کو چھپانا اور جب اپنی منشاء کے خلاف کوئی بات طے ہو جائے تو جماعت میں بددلی پھیلانے کی کوشش کرنا جماعت کے ساتھ بدترین خیانت ہے۔

۷۔ جماعتی مشورے میں کسی شخص کو اپنی رائے پر اتنا اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ یا تو اس کی بات مانی جائے ورنہ وہ جماعتی فیصلوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ ایسا اصرار بالآخر پورے نظامِ جماعت کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔

ان عمومی ہدایات کے بعد سیّد صاحبؒ نے امیر کے انتخاب میں جن امور کو ملحوظ رکھنا ضروری تھا ان کی نشاندہی کی:

۱۔ امارت کے امیدوار کسی شخص کو ہرگز منتخب نہ کیا جائے۔ اس عظیم ذمہ داری کو محض اقتدار و سیادت کا خواہاں شخص ہی اٹھانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے اور ایسا شخص اللہ کی نصرت و امداد سے محروم رہتا ہے۔

۲۔ شخصی حمایت و موافقت کے جذبات کو دل سے نکال کر بے لاگ طریقے سے ایسے شخص کو منتخب کیا جائے جس کے تقویٰ' علمِ کتاب و سنت' دینی بصیرت' تدبّر' معاملہ فہمی اور راہِ خدا میں ثبات و استقامت پر آپ کو سب سے زیادہ اعتماد ہو۔

۳۔ اس طریقے سے جس شخص کو منتخب کر لیا جائے اس کی خیر خواہی' اس کے ساتھ مخلصانہ تعاون' معروف میں اس کی اطاعت اور منکر میں اس کی اصلاح کی کوشش ہر رکنِ جماعت پر فرض ہے۔

سب سے آخر میں ایک اسلامی جماعت کے امیر اور مغربی جمہوریتوں کے صدر کے درمیان

فرق کی وضاحت کی اور فرمایا کہ دیانت' تقویٰ اور خوفِ خدا کی صفات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس شخص کو آپ اپنا امیر منتخب کرلیں اس پر مکمل اعتماد کریں' اس پر وہ پابندیاں عائد نہ کریں جو مغربی جمہوریتوں میں صدور پر عائد کی جاتی ہیں اس لئے کہ وہاں طریقِ انتخاب ہی ایسا ہے کہ معاشرے کا سب سے عیار اور جوڑ توڑ کے فن میں ماہر شخص ہی منتخب ہوتا ہے اور جس کو منتخب کرتے وقت تمام دوسری صفات دیکھی جاتی ہیں' مگر دیانت اور خوفِ خدا کی صفات نہیں دیکھی جاتیں۔ چنانچہ اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس پر طرح طرح کی قدغنیں لگا دی جاتی ہیں۔ جس شخص کی دیانت اور تقویٰ آپ کے نزدیک اس قدر مشتبہ ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کر سکتے تو اس کو سرے سے منتخب ہی نہ کیجئے[۴۴]۔

یہ تقریر اس لحاظ سے بڑی اہم تھی کہ اس میں اسلامی ہیئت اجتماعی اور نظامِ جماعت پر پہلی بار جدید زبان میں بات کی گئی تھی۔ مسلمانوں میں اب تک جو جماعتیں کام کر رہی تھیں ان میں صدرِ جماعت اور دوسرے عہدیداروں کا انتخاب مغربی جمہوریتوں میں مروّج طور طریقوں کے مطابق کیا جاتا تھا اور جماعت کے درو بست پر قابض رہنے کے لئے ہر طرح کے جوڑ توڑ اور حربے جائز اور روا رکھے جاتے تھے' سیّد صاحبؒ نے برصغیر ہی کی نہیں غالباً" پورے عالمِ اسلام کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار اسلامی نقطۂ نظر سے اس طریقِ انتخابِ قیادت پر تنقید کی اور ان خرابیوں کو واضح کیا جو یہ طریقِ انتخاب اپنے دامن میں رکھتا تھا اور پہلی بار ان صفات کی نشاندہی کی جو اسلام ایک اسلامی جماعت اور اس کی قیادت کے لئے ضروری گردانتا ہے۔

یہ تقریر اس اعتبار سے بھی سیّد صاحبؒ کی اہم ترین تقریر تھی کہ اس میں جو ہدایات جاری کی گئیں ان پر اس سختی سے عمل کیا گیا کہ وہ گویا جماعت کا مزاج بن گئیں۔ اس مزاج کے خلاف جب کبھی کسی فرد یا عنصر نے اس کے برعکس رویّہ اختیار کیا تو اس نے جماعت کی فضا کو اپنے خلاف پایا اور اسے بالآخر جماعت سے نکلنا پڑا۔ دوسرا اہم پہلو جس پر اس تقریر میں سیّد صاحبؒ نے زور دیا' وہ امور تھے جنھوں نے اس سے پہلے مسلمانوں کی جماعتوں میں رونما ہو کر انھیں افتراق و انتشار کی راہ پر ڈالا اور بالآخر اضمحلال سے دوچار کر دیا۔ سیّد صاحبؒ نے اپنی افتتاحی تقریر میں جماعت کو فرقہ اور گروہ میں تبدیل ہونے سے بچنے کی ہدایت کی تھی۔ اب اس تقریر میں انھوں نے ارکانِ جماعت کے سامنے وہ خطوط رکھ دیے جن پر جماعتِ اسلامی اپنے اس عظیم مقصد اور نصب العین پر قائم رہ سکتی تھی جس کے لئے وجود میں آرہی تھی۔

امیر جماعت کے انتخاب کے سلسلے میں سیّد مودودیؒ نے دو باتوں کی نشاندہی کی۔ ان میں

سے ایک وہ صفات تھیں جن کا ایک اسلامی جماعت کے امیر کے اندر پایا جانا ضروری تھا اور جنھیں ملحوظ رکھ کر امیر کا انتخاب کیا جانا تھا۔ دوسری بات امیرِ جماعت کے اختیارات اور حدودِ کار سے متعلق تھی۔ امیرِ جماعتِ اسلامی کے اختیارات اور معیادِ امارت کے ضمن میں آگے چل کے دستور میں ردو بدل کیا گیا تاہم جہاں تک پہلی بات کا تعلق تھا وہ ہمیشہ کے لئے جماعت کے دستور کا جزو لاینفک بن گئی۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو آج تک جماعتِ اسلامی اور دوسری مسلم جماعتوں میں مابہ الامتیاز چلی آتی ہے، ملک کے اندر یقیناً" کوئی ایسی دینی و سیاسی جماعت نہیں ہے جس نے ان صفات کو اپنے صدر یا سربراہ کے لئے لازمی قرار دیا ہو اور جو اس کا انتخاب صرف انھیں صفات کو ملحوظ رکھ کر کرنے کی دستوری طور پر پابند ہو۔

سیّد صاحبؒ کی تقریر کے بعد امیرِ جماعت کے انتخاب کا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ شرکاء نے اس بحث میں آزادانہ حصہ لیا۔ بحث خاص کسی ایک یا دو شخصیتوں کے بارے میں نہ تھی کہ ان میں سے کون ایسا شخص ہے جو کتاب و سنّت میں دی گئی ہدایت کے مطابق (جن کی نشاندہی سیّد صاحبؒ نے اپنی تقریر میں فرمائی تھی) منصبِ امارت کے لئے موزوں ترین اور سب سے زیادہ لائقِ اعتماد ہو بلکہ یہ بحث منصبِ امارت کی نوعیت اور اس کی مدّت و معیاد کے بارے میں تھی اس بحث میں تین مختلف نقطۂ نظر ابھر کر سامنے آئے۔

ایک گروہ کی رائے تھی کہ اس وقت جماعت میں اس قدر کم آدمی ہیں کہ انتخاب کی کچھ زیادہ گنجائش نہیں، اگر اس وقت کوئی متعین امیر منتخب کر لیا گیا تو آئندہ جب جماعت بڑھے گی اور اہل ترین آدمی آئیں گے اس وقت دقت پیش آئے گی بلکہ نئے آنے والوں کے لئے یہ بات تامل کا باعث ہو گی کہ انھیں ایک ایسے شخص کو امیر ماننا پڑے گا جس کے انتخاب میں ان کی رائے شامل نہ تھی، اس طرح اس وقت انتخابِ امیر آگے چل کر توسیعِ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گا۔ اس بنا پر اس گروہ کی رائے یہ تھی کہ سردست جماعت کا امیر عارضی مدّت کے لئے منتخب کیا جائے۔

دوسرے گروہ کے شبہات بھی پہلے گروہ سے مختلف نہ تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ ابھی انبیاء کا جانشین بننے کا اہل کوئی مردِ کامل نظر نہیں آتا اس لئے اس وقت سرے سے امیر منتخب ہی نہ کیا جائے بلکہ جماعت کا انتظام اور رہنمائی، چند آدمیوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دی جائے اور اس مجلس کے لئے ایک صدر منتخب کر لیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں یہ گروہ جماعت کے لئے اجتماعی قیادت (Collective Leadership) کی تجویز پیش کر رہا تھا۔

تیسرے گروہ کی رائے پہلے دونوں گروہوں سے مختلف تھی۔ اس کے خیال میں جماعت بلا امیر بے اصل بات تھی' مدتِ معینہ کے لئے انتخابِ امیر کا بھی کتاب و سنّت میں کوئی نشان نہیں ملتا' پھر یہ بات بھی خلافِ حکمت و تدبّر ہے کہ ہم ایک انقلابی نظریہ ... لڑنے تو دنیا بھر کی شیطانی قوتوں سے چلے ہیں' لیکن جماعت کا نظام اتنا ڈھیلا رکھیں کہ کسی بڑی جدوجہد کا متحمل نہ ہو سکے۔ امارت کے بغیر یا عارضی امارت کی بنیاد پر قائم ہونے والا نظام کبھی پختہ نہ ہو گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ امیر کا انتخاب اسی وقت کیا جائے اور غیر معینہ مدت کے لئے کیا جائے۔

کئی گھنٹے تک بحث ہوتی رہی' مگر اتفاقِ رائے نہ ہو سکا۔ آخر ظہر کے قریب اس مسئلہ کو سات آدمیوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا جنہیں ارکانِ جماعت نے متفقہ طور پر منتخب کیا تھا۔ قرار پایا کہ یہ کمیٹی جو کچھ طے کرے گی اسے سب قبول کر لیں گے۔ کمیٹی کے ارکان حسب ذیل تھے:

۱۔ مولانا محمد منظور نعمانی' مدیر الفرقان بریلی
۲۔ سیّد صبغت اللہ بختیاری' رائے چوٹی کڑپہ مدراس
۳۔ سیّد محمد جعفر پھلواروی' کپور تھلہ
۴۔ مولانا نذیر الحق میرٹھی
۵۔ مستری محمد صدیق سلطانپوری
۶۔ ڈاکٹر سیّد نذیر علی زیدی' الٰہ آباد
۷۔ محمد ابن علی صاحب علوی کاکوروی' لکھنؤ

اس مجلس نے بڑے غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد پہلے دونوں گروہوں کی رائیں مسترد کر دیں اور تیسرے گروہ کی رائے سے اتفاق کیا کہ علم کتاب و سنت اور حکمتِ عملی دونوں کا تقاضا ہے کہ جماعت بلا امیر نہ رہے اور امیر کا انتخاب کسی مدت کے ساتھ مقید نہ کیا جائے۔ کمیٹی نے اس سلسلے میں اتفاقِ رائے سے جو دستوری تجویز مرتب کی اس میں ان دونوں گروہوں کے اعتراضات کو رفع کر کے مطمئن کر دیا گیا۲۵۔

چار بجے شام دوبارہ اجتماع ہوا۔ مولانا محمد منظور نعمانی نے مجلسِ منتخبہ کی جانب سے اس تجویز کو پڑھ کر سنایا اور اس کی مختصراً تشریح کی' جماعت نے اسے بالاتفاق قبول کر لیا اور طے کیا کہ یہ پوری تجویز دفعہ دہم کی حیثیت سے دستور میں بڑھا دی جائے۔

اس کے بعد مولانا محمد منظور نعمانی نے سیّد مودودیؒ کا نام امارت کے لئے پیش کیا اور تمام

ارکانِ جماعت نے اتفاقِ کامل سے اس کو منظور کر لیا۔ نعمانی صاحب نے سید صاحبؒ کا نام تجویز کرتے ہوئے وضاحت کی کہ دستور کے لحاظ سے امیر میں جو صفات ہونی چاہئیں خدا کے فضل سے وہ سب ان میں موجود ہیں۔ اور اس حیثیت سے جماعت کے موجودہ ارکان میں وہ فائق و ممتاز ہیں۴۶۔

انتخابِ امیر کے اس سارے عمل میں کچھ مزید روایات کی بنیاد پڑ گئی جن کو جماعت جب تک اپنائے رہے گی ان خرابیوں اور مفاسد سے بچی رہے گی جو مغربی طرز کی سیاسی پارٹیوں کا طُرۂ امتیاز بن چکی ہیں:

۱۔ جماعت میں کسی بھی عہدے کے لئے از خود امیدواری کا نظام اور اس کے لئے کنویسنگ کو ہمیشہ کے لئے مسترد کر دیا گیا۔

۲۔ امیر کو منتخب کرتے وقت کسی لسانی، علاقائی عصبیت یا شخصی موافقت اور پسند کو نہیں، ان صفات کو ملحوظ رکھا گیا جو کتاب و سنت اسلامی جماعت کی قیادت کے لئے لازمی قرار دیتی ہیں۔

۳۔ مسائل پر بحث مباحثہ چاہے ارکان جماعت کی سطح پر ہو یا مقامی و مرکزی شوریٰ کی سطح پر ہمیشہ کھلی فضا میں کیا گیا۔

۴۔ معاملات و مسائل کو اتفاقِ رائے سے طے کرنے کو ہمیشہ ترجیح دی گئی۔ اتفاقِ کلی (Consensus) حاصل کرنے کے لئے کئی کئی گھنٹے بلکہ دو دو دن بحث کی جاتی۔ جماعتِ اسلامی کی طویل تاریخ میں دو تین مرتبہ سے زیادہ اس کی نوبت نہیں آئی کہ مسائل کا فیصلہ کثرتِ رائے سے کیا گیا، ورنہ تمام فیصلے اتفاقِ رائے پر مبنی ہوتے رہے ہیں۔

بیعتِ عام

اب تک اسلامی نظامِ جماعت کے لئے بیعت کا طریقہ رائج تھا، لیکن سید صاحبؒ نے رسمی طریقہ اختیار کرنے کے بجائے اجتماعی عہد کا طریقہ اختیار کیا، چنانچہ پوری جماعت نے ایک ساتھ یہ عہد کیا کہ وہ دستور کی دفعہ دہم کے مطابق امیر کی اطاعت اور اس کے حکم کی پابندی کریں گے۔ یہ گویا بیعتِ عام کی ادائیگی تھی، اور وہ بھی کسی شخصیت کے ہاتھ پر نہیں، نصب العین پر تھی۔ اس ادائیگی پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی جو ایک روز قبل تجدیدِ ایمان کے موقع پر طاری ہو چکی تھی۔ لوگ پھر خدا کے حضور میں گڑگڑائے اور التجا کی کہ وہ اس جماعت کو اس کے نصب العین کے مطابق چلنے کی توفیق دے۴۷۔

مروّجہ بیعت کے بجائے تجدید عہد کا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے اُسی

زمانے میں سیّد مودودیؒ نے ایک خط کے جواب میں لکھا:

"میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو صورت تجویز کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اوّلاً" ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت نہ لی جائے بلکہ صرف زبانی عہد لیا جائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے لیا کرتے تھے۔ ثانیاً" کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اسلام کی طرف منسوب ہو تاکہ شخصِ خاص سے وابستگی آگے چل کر شخصیت پرستی تک نہ پہنچ سکے۔ ثالثاً" تزکیہ نفس، اجرائے احکام اور اقامتِ نظم و انضباط وغیرہ کا کام جس شخص کے ہاتھ میں ہو وہ اس کی ذاتی حیثیت میں نہ ہو بلکہ جماعت کا سربراہ ہونے کی حیثیت میں ہو۔ جب ایک شخص سربراہ نہ رہے اور دوسرا شخص اس کی جگہ آئے تو لوگوں کی اطاعت و وابستگی بھی پہلے شخص سے ہٹ کر دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائے۔ نہ یہ کہ لوگ اسی شخصِ خاص کے گرویدہ رہیں جس کے امیر ہونے پر ابتدا میں انہوں نے عہدِ اطاعت کیا تھا۴۸۔"

ایک اور موقع پر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ انہوں نے مروّجہ بیعت کا طریقہ اس لئے نہ اپنایا کہ دعوت نصب العین کی طرف تھی نہ کہ ان کی اپنی شخصیت یا امیرِ جماعت یا شیخ کی طرف۔

امیرِ جماعت کا پہلا پالیسی بیان

بیعتِ عام کے بعد سیّد مودودیؒ نے ایک مختصر تقریر کی۔ یہ تقریر بنیادی طور پر تین نکات پر مشتمل تھی۔ پہلا نکتہ خود ان کی اپنی ذات کے بارے میں تھا اور دوسرے دو نکات کو وہ پالیسی بیان (Policy Statement) سمجھنا چاہیے جو انہوں نے امیرِ جماعت منتخب ہونے کے بعد ان منصبی فرائض کے سلسلے میں دیا جن پر وہ خود اور اپنے رفقاء کو کاربند دیکھنا چاہتے تھے۔ پہلے نکتہ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ محض رسمی الفاظ نہ تھے بلکہ اس عاجزی اور فروتنی کا اظہار تھا جو ان کی شخصیت اور کردار میں رچی بسی ہوئی تھی اور اللہ کے بندے عاجز و منکسر ہوا کرتے ہیں، متکبر و مترفّع نہیں۔ وہ جب بارِ فرائض اٹھاتے ہیں تو عجز و انکسار کے ساتھ ڈرتے اور لرزتے ہوئے اٹھاتے ہیں، انہیں اپنے علم اور صلاحیتوں پر غرّہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کا عاجز و ناقص بندہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کی مدد کے طالب ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی قیادت کی ذمّہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے ان کا قدم قدم پر تعاون چاہتے ہیں۔ فرمایا:

"میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا نہ سب سے زیادہ متقی، نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے فضیلت حاصل تھی —— مجھے اس تحریک کی عظمت اور خود اپنے نقائص کا پورا احساس ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس

کی قیادت اولو العزم پیغمبروںؑ نے کی ہے اور زمانہ نبوت گزر جانے کے بعد وہ غیر معمولی انسان اس کو لے کر اٹھتے رہے ہیں جو نسلِ انسانی کے گُلِ سَرسَبد تھے۔ ایک لمحے کے لئے اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ میں اس عظیم الشان تحریک کی قیادت کا اہل ہوں' بلکہ میں تو اس کو ایک بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کارِ عظیم کے لئے آپ کو مجھ سے بہتر کوئی آدمی نہ ملا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے فرائضِ امارت کی انجام دہی کے ساتھ برابر تلاش میں رہوں گا کہ کوئی اہل تر آدمی اس کا بار اٹھانے کے لئے مل جائے اور جب میں ایسے آدمی کو پاؤں گا تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا' نیز میں ہمیشہ ہر اجتماعِ عام کے موقع پر جماعت سے بھی درخواست کرتا رہوں گا کہ اب اس نے کوئی مجھ سے بہتر آدمی پا لیا ہے تو وہ اسے اپنا امیر منتخب کر لے' میں اس منصب سے بخوشی دستبردار ہو جاؤں گا۔ میں اپنی ذات کو کبھی خدا کے راستے میں سدِ راہ بننے نہ دوں گا اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دوں گا کہ ایک ناقص آدمی اس جماعت کی رہنمائی کر رہا ہے' اس لئے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۴۹۔"

پالیسی بیان کے سلسلے میں سید صاحبؒ نے فرمایا:

(۱) میں حدِ وسع تک انتہائی کوشش کروں گا کہ اس کام کو پوری خدا ترسی اور احساسِ ذمّہ داری کے ساتھ چلاؤں اور قصداً" اپنے فرض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں۔ میں اپنے علم کی حد تک کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ اور خلفائے راشدین کے نقشِ قدم کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔

(۲) مجھ سے کوئی لغزش ہو یا آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں راہِ راست سے ہٹ گیا ہوں' تو مجھ پر بدگمانی نہ کرے کہ میں عملاً ایسا کر رہا ہوں' بلکہ حسنِ ظن سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔

(۳) آپ کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اپنے آرام و آسائش اور اپنے ذاتی فائدوں پر جماعت کے مفاد اور اس کے کام کی ذمّہ داریوں کو ترجیح دوں' جماعت کے نظم کی حفاظت کروں' ارکانِ جماعت کے درمیان عدل اور دیانت کے ساتھ حکم کروں' جماعت کی طرف سے جو امانتیں میرے سپرد ہوں ان کی حفاظت کروں' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل و دماغ اور جسم کی تمام طاقتوں کو اس مقصد کی خدمت میں صرف کر دوں جس کے لئے آپ کی جماعت اٹھی ہے۔

(۴) میرا آپ پر یہ حق ہے کہ جب تک میں راہ راست پر چلوں آپ اس میں میرا ساتھ دیں۔ میرے حکم کی اطاعت کریں۔ مشوروں سے اور امکانی امداد و اعانت سے میری تائید کریں اور جماعت کے نظم کو بگاڑنے والے طریقوں سے پرہیز کریں۵۰۔

اس پالیسی بیان کا اہم ترین حصّہ وہ ہے جس میں سیّد صاحبؒ نے جماعتِ اسلامی کو فقہی مکتبِ فکر میں تبدیل ہو جانے سے روکنے کی ہدایت فرمائی۔ ماضی میں بھی ائمہ عظام کا طرزِ عمل یہ رہا ہے کہ وہ اپنی فقہی آرا کو امت کے لئے لازمی نہ گردانتے تھے۔ امام مالکؒ نے تو اپنی کتاب موطا کو عباسی سلطنت کا قانون بنانے کی اجازت دینے سے معذرت کر دی تھی' دراصل وہ جانتے تھے کہ کسی بھی صاحبِ علم کی فقہی آرا سے منسلک ہو جانے کے نتائج جمود' اندھی تقلید' فرقہ بندی اور فقہی مجادلے کی صورت میں نکلتے ہیں جو بالآخر امت سے تحرک اور جدّوجہد کی زندگی چھین لیتے ہیں' اصول ترک ہو جاتے ہیں اور فروعات اصول کی جگہ لے لیتے ہیں' ان کے اہلِ علم کا کام اپنے امام اور فقیہہ کے کلام و اقوال کو بطورِ حُجت پیش کرنے اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کروانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا اور ان کے عوام انہی فقہی آراء کو اوّل و آخر اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں' کتاب و سنّت کے احکام و تعلیمات ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں اور فقہی آرا اتنی اہمیت کا مقام حاصل کر لیتی ہیں کہ ایک فقہی مسلک کے حامل لوگ دوسرے مکتبِ فقہ سے تعلق رکھنے والوں کو کافر قرار دینے لگتے ہیں' امّت اپنے مقصدِ وجود کو تج کے ٹکڑیوں میں بٹ جاتی ہے اور سر پھٹول میں مصروف ہو جاتی ہے۔ سیّد صاحبؒ جن کا تاریخی شعور بڑا توانا تھا' ان کی اس پوری صورت حال پر نظر تھی' چنانچہ انہوں نے اعلان فرمایا:

> "فقہ و کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے ـــــ اب میری حیثیت اس جماعت کے امیر کی ہو گئی ہے۔ فقہ و کلام کے مسائل میں میں جو کچھ آئندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیرِ جماعتِ اسلامی کے فیصلہ کی نہ ہو گی بلکہ میری ذاتی رائے ہو گی۔ ارکانِ جماعت کو میں خداوندِ برتر کا واسطہ دے کر ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی شخص فقہی و کلامی مسائل میں میرے اقوال کو دوسروں کے سامنے حجت کے طور پیش نہ کرے۔ اسی طرح میرے ذاتی عمل کو بھی جسے میں نے اپنی تحقیق کی بنا پر جائز سمجھ کر اختیار کیا ہے' نہ دوسرے لوگ حجت بنائیں اور نہ بلا تحقیق محض میرا عمل ہونے کی حیثیت سے اس کا اتباع کریں۔ ان معاملات میں ہر شخص کے لئے آزادی ہے۔ جو لوگ علم رکھتے ہوں'

وہ اپنی تحقیق پر اور جو علم نہ رکھتے ہوں وہ جس کے علم پر اعتماد رکھتے ہوں اس کی تحقیق پر عمل کریں۔ نیز ان معاملات میں اختلافِ رائے رکھنے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بھی سب آزاد ہیں۔ ہم سب جزئیات و فروع میں اختلافِ رائے رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے بالمقابل بحث و استدلال کرتے ہوئے بھی ایک جماعت بن کر رہ سکتے ہیں جس طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رہتے تھے۔۵۱۔"

جماعت کی پہلی مجلسِ شوریٰ

امیر کے انتخاب سے جماعت مکمل طور پر وجود میں آگئی۔

اسی شام امیرِ جماعت نے اصحابِ شوریٰ کا انتخاب کر لیا اور اس طرح نظمِ جماعت اپنی بالکل سادہ شکل میں مکمل ہو گیا۔ اگلی صبح ۴ شعبان (۲۸ / اگست ۱۹۴۱ء) آٹھ بجے صبح مجلسِ شوریٰ کا پہلا اجلاس ہوا جس میں تحریک کے مستقبل اور جماعت کے لائحہ عمل پر سوچ بچار کیا گیا اور خاصے غور و خوض اور بحث و گفتگو کے بعد جماعت کے کام کو پانچ شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا:

۱۔ شعبہ علمی و تعلیمی۔
۲۔ شعبہ نشر و اشاعت۔
۳۔ شعبہ تنظیمِ جماعت۔
۴۔ شعبہ مالیات۔
۵۔ شعبہ دعوت و تبلیغ۔

اجتماع کا اختتام

اسی روز پھر اجتماع عام منعقد ہوا جس میں امیرِ جماعت نے ارکانِ جماعت کو اس لائحہ عمل کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور پھر کام کرنے کے لئے ہدایات دیں۔ ان ہدایات کے بعد امیرِ جماعت اور شوریٰ کے ارکان نے ارکانِ جماعت کو علیحدہ علیحدہ بلا کر ہر ایک کے احوال اور صلاحیتوں سے آگاہی حاصل کی اور ان حالات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے انہیں کام سپرد کیا۔ جہاں مقامی جماعتیں بن چکی تھیں وہاں ان کے لئے امراء کا تقرر کیا۔ ۵ شعبان کو جو کام باقی رہ گیا تھا اسے انجام دیا۔ اور اجتماع ختم ہو گیا ۵۲۔

ایک تاریخ ساز واقعہ

جماعتِ اسلامی کا قیام اس وقت کی ہنگامہ خیز دنیا میں محض ایک معمولی واقعہ تھا' اس کا

تاسیسی اجتماع کسی پروپیگنڈے کے زور شور کے بغیر شروع ہوا اور خاموشی سے ختم ہو گیا۔ ایک نہایت محدود سے حلقے کے سوا اس کو کسی نے اہمیت نہ دی۔ برصغیر میں مسلمانوں کے اندر جماعت سازی روز مرہ کا شیوہ بن چکا تھا۔ آئے دن جماعتیں وجود میں آتیں اور چند روزہ بہارِ زندگی دکھا کر ختم ہو جاتیں۔ لیڈری ایک پیشہ بن چکی تھی۔ کسی میں صلاحیت ہوتی' یا نہ ہوتی من کی موج طالع آزماؤں کو میدان میں لے آتی اور مسلمانوں کی قیادت کے لئے مسابقت شروع ہو جاتی جس میں حریف کو شکست دینے کے لئے غیر اخلاقی ہتھکنڈے اختیار کرنے سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔ ایسے عالم میں ایک نئی جماعت کا قیام' ایک عام آدمی کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا' تاہم اس واقعہ کا اس وقت جو ردّ عمل بھی تھا' یہ ایک تاریخ ساز واقعہ تھا۔ ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی تھی جو آنے والے برسوں میں نہ صرف برصغیر' بلکہ جنوبی ایشیا اور عالمِ اسلام تک میں اہم کردار ادا کرنے والی تھی۔ مشہور مغربی مصنف ولفریڈ کینٹویل سمتھ (W.C.SMITH) نے جماعتِ اسلامی کے قیام کو ہم عصر اسلامی دنیا کے اہم ترین واقعات میں سے ایک واقعہ قرار دیا جو ہم عصر پاکستان کی اہم ترین ہم عصر قوتوں میں ایک قوت بن گئی ۵۳۔ آگے چل کر دوسرے مغربی مصنفین نے بھی جماعتِ اسلامی کے نظریات' اس کی دعوت اور قوت کے بارے میں بہت کچھ لکھا' لیکن جس معاصر دنیا میں جماعت کی تاسیس و تشکیل ہوئی اس کے لئے اس میں کوئی چونکا دینے والی بات نہ تھی۔ البتہ یہ اپنی بہت سی خصوصیات کی وجہ سے اس دور کی تمام سیاسی و دینی جماعتوں میں منفرد نوعیت رکھتی تھی۔ یہ پہلی اسلامی نظریاتی جماعت تھی جو کتاب و سنّت کی بنیادوں پر وجود میں آئی تھی' جس کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی مفادات کا تحفظ یا ملک پر سے غیر ملکی تسلط کا خاتمہ نہ تھا بلکہ جو اسلام کی سربلندی اور اسلامی نظامِ حیات کا قیام چاہتی تھی' جس کے ارکان اور متفقین کسی شخصیت کے گرد نہیں' اسلامی نظریہ کے گرد جمع ہوئے تھے۔

برصغیر میں اب تک جتنی مسلم جماعتیں سرگرمِ عمل رہی تھیں وہ تین قسم کی تھیں۔ ایک وہ جو نام تو اسلام کا لیتی تھیں مگر قومی اور سیکولر نصب العین کی علمبردار تھیں دوسری وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کا حلیہ بگاڑنا چاہتی تھیں مگر اپنا نصب العین اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ بتاتی تھیں اور تیسری وہ جو بظاہر دینی تھیں مگر مغرب کے دیے ہوئے تصورِ قومیت پر مبنی لادینی سیاست کی حامل تھیں اور جن کی قیادت علماء کے ہاتھوں میں تھی اور اس ناتے سے دینی اور اسلامی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔ ان تینوں قسم کی جماعتوں میں ایک بات

مشترک تھی۔ ان میں سے ہر ایک کا تنظیمی ڈھانچہ سیکولر تھا۔ ان کے برعکس جماعتِ اسلامی پہلی جماعت تھی جس کا مقصد اور نصب العین بھی خالصتہً اسلامی تھا اور تنظیمی ہیئت بھی کتاب و سنت کی دی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں قائم کی گئی تھی جس کے اندر داخل ہونے کے لئے اسلام کے احکام کا عملاً پابند ہونا ضروری تھا۔ پھر یہ پہلی جماعت تھی جس نے اسلامی طریقِ انتخاب کو اپنایا' جس میں امیدواری (Candidature) کو مسترد اور کسی شخص کے حق میں کنویسنگ یا اس کے خلاف پروپیگنڈے کو غیر اخلاقی اور مذموم قرار دے دیا گیا۔ جس کے امیر کو جماعت کی جنرل باڈی (General Body) یعنی ارکان منتخب کرتے اور وہی اس کو معزول کرنے کا اختیار رکھتے۔ جماعت کا دستور اور نظم ارتقاء کے مختلف ادوار سے گزرا' تنظیم کا ڈھانچہ حالات کے مطابق وسعت اختیار کرتا رہا اور فرائض و اختیارات کی تقسیم کی نئی نئی جہتیں پیدا ہوئیں' امیرِ جماعت کے عزل کا اختیار ارکان کی منتخب کردہ مجلسِ شوریٰ کو دیدیا گیا تاہم اس کا انتخاب بھی ارکان براہ راست خفیہ ووٹوں سے کرتے ہیں اور وہ اپنے کاموں کا ارکان ہی کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اس طرح جماعتِ اسلامی ساری دنیا میں واحد سیاسی جماعت ہے جس میں آخری اتھارٹی جماعت کی جنرل باڈی کے ہاتھ میں ہے اور اس اختیار کو نہ تو کوئی دباؤ ڈال کر سلب کر سکتا ہے اور نہ اس پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

جماعتِ اسلامی کی تشکیل کے موضوع پر ایک مرتبہ سید مودودیؒ نے بڑی مفصل گفتگو کی تھی' اور ان امور کا ذکر فرمایا تھا جو انہوں نے اسلامی نظام کے قیام کو جماعتِ اسلامی کا نصب العین قرار دیتے ہوئے پیش نظر رکھے تھے' انہی امور نے دوسری جماعتوں کے مقابلے میں جماعتِ اسلامی کو وہ خصوصیات دیدی تھیں جن میں وہ آج تک ممتاز اور منفرد چلی آتی ہے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا تھا:

> "جو چیز میں نے جماعت کی تشکیل میں پیشِ نظر رکھی وہ یہ تھی کہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہیے جو نہ صرف عقیدے میں مخلص ہوں بلکہ اپنی انفرادی سیرت و کردار میں بھی قابلِ اعتماد ہوں ـــــــ مسلمانوں کی جماعتوں اور تحریکوں کو جس چیز نے آخر کار خراب کیا وہ اچھے لوگوں کے ساتھ بہت سے ناقابلِ اعتماد لوگوں کا شریک ہو جانا تھا ـــــــ انہی مشاہدات کی بنا پر میں نے یہ رائے قائم کی کہ اصل اہمیت کثرتِ تعداد کی نہیں بلکہ قابلِ اعتماد سیرت و کردار رکھنے والے کارکنوں کی ہے۔ خواہ تھوڑے ہی افراد ملیں مگر بہرحال ہماری جماعت صرف ایسے لوگوں پر مشتمل ہونی

چاہیے جن میں سے ایک ایک فرد کی سیرت قابلِ اعتماد ہو۔ جس کے قول اور عمل پر لوگ بھروسہ کر سکیں ---- مسلمانوں کی تحریکوں کے ناکام ہونے یا ابتدا میں کامیاب ہو کر آخر کار ناکام ہو جانے کے اہم اسباب میں سے ایک سبب تنظیم کی کمی بھی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ جماعتِ اسلامی کا نظم نہایت سخت اور مضبوط ہونا چاہیے' اس میں ذرّہ برابر بھی ڈھیل گوارا نہیں کرنی چاہیے۔ ایک غیر منظم جماعت کبھی ایسی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو تنظیم کے ساتھ اٹھنے والی ہوں ----

"ایک اور چیز جس کو ہم نے جماعت کی تشکیل میں پیش نظر رکھا' یہ تھی کہ جدید اور قدیم تعلیم یافتہ دونوں قسم کے عناصر کو ملا کر ایک تنظیم میں شامل کیا جائے اور یہ دونوں مل کر اسلامی نظام قائم کرنے کی ایک تحریک چلائیں ---- (اس طرح) جماعتِ اسلامی نے جدید اور قدیم تعلیم یافتہ لوگوں کو ملا کر ایک مزاج اور ایک طرزِ فکر رکھنے والی مشترک قیادت فراہم کی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے علماء جب کبھی جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ ملے ہیں محض ایک مددگار قوت کی حیثیت سے ملے ہیں' قیادت میں ان کا کوئی حصہ نہیں رہا ہے ---- ان کا کام صرف یہ تھا کہ جس قیادت کی بھی وہ تائید کریں اس کے پیچھے مسلمانوں کو لگا دینے کی خدمت انجام دیں"۔

"جماعت نے یہ کوشش بھی کی کہ ہر فرقہ اور مسلک کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے ---- جماعتِ اسلامی بنی ہی اس اصول پر ہے کہ آپ اپنا جو مسلک بھی رکھتے ہوں اس پر عمل کیجئے مگر دوسرے پر زبردستی اس کو نہ ٹھونسیے۔ جس عمل کو آپ صحیح نہیں سمجھتے وہ نہ کیجئے۔ لیکن اس بات کا مطالبہ بھی نہ کیجئے کہ دوسرا بھی اسے صحیح نہ سمجھے اور اسے چھوڑ دے۔ اس کے بعد ہم سب مل کر اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں ----

جماعتِ اسلامی کے نظام کو خرابیوں سے پاک رکھنے کے لئے ہم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ارکان کے اجتماعات میں کھلا کھلا محاسبہ ہوتا ہے' صاف صاف تنقید ہوتی ہے۔ جس شخص میں کوئی کمزوری ہو یا جس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو بے تکلف اس پر گرفت کی جاتی ہے اور اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ----"۔

یہ تھی وہ جماعت جو ۳ شعبان ۱۳۶۰ھ / ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو وجود میں آئی اور جو اپنی انھی خصوصیات کی بنا پر ولفریڈ کنٹویل سمتھ (Wifred Cantwell Smith) کے بقول پاکستان کی اہم ترین قوتوں میں سے ایک قوت بن گئی۔

حواشی و تعلیقات

۳۷۔ روداد جماعتِ اسلامی' حصہ اوّل ' ص ۹

۳۸۔ روایت میاں طفیل محمد۔ تذکرۂ سیّد مودودیؒ ص ۲۴

۳۹۔ فیروز پور کے مولوی محمد علی صاحب مرحوم جو جماعتِ اسلامی کے تاسیسی اجتماع میں شریک تھے ان کا بیان تھا کہ مولانا محمد منظور نعمانی سب سے زیادہ رونے والے تھے۔ (تذکرہ سیّد مودودیؒ ص ۳۳۲)

۴۰۔ پانچ چھ اصحاب تجدیدِ شہادت کر کے جماعت میں شریک ہو چکے تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر کیے بغیر جماعتِ اسلامی کی تاریخ لکھنے والا کوئی مورخ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ چھٹے یا ساتویں نمبر پر میاں طفیل محمد اٹھے۔ کوٹ اور پتلون میں ملبوس ' ٹائی باندھے ہوئے' ہاتھ میں ہیٹ لیے' داڑھی مونچھ صاف' ۲۷ برس کے نوجوان' ریاست کپور تھلہ کے رہنے والے 'کپور تھلہ میں وکالت کر رہے تھے' سیّد صاحبؒ کی دعوت سے متاثر ہوئے تو بقول خود انھوں نے تہیہ کر لیا کہ "دنیا میں کوئی دوسرا شخص اس (سیّد مودودیؒ) کا ساتھ دینے کے لئے اٹھے یا نہ اٹھے میں بہر حال اس کا ساتھ دوں گا اور آخر دم تک ساتھ دوں گا" (تذکرۂ سیّد مودودیؒ ص ۲۴) ڈھائی مہینے پہلے ان کی شادی ہوئی تھی اور سسرال جا رہے تھے کہ راستے میں پتہ چلا کہ جماعت کا تاسیسی اجلاس ہو رہا ہے چنانچہ سسرال کے بجائے لاہور اجتماع میں پہنچ گئے تھے (قومی ڈائجسٹ لاہور جنوری ۱۹۸۰ء ص ۱۷۳) میاں صاحب نے اٹھ کر جب اپنے آپ کو جماعت کی رکنیت کے لئے پیش کیا تو مولانا محمد منظور نعمانی نے مخالفت کی۔ میاں صاحب کے الفاظ میں انھوں نے کہا "اس کرنٹے کو ہم کیسے لے سکتے ہیں؟ اس کی شکل و صورت' اس کا حلیہ' اس کا پیشہ کوئی چیز بھی تو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کو جماعت میں لیا جائے۔ بعض دوسرے حضرات نے بھی ان کی تائید کی۔ میرے اوپر اس کا سخت رد عمل ہوا اور فی الواقع میں رونے لگا۔ میں نے کہا کہ جب میں اپنے آپ کو اس مقصد کے لئے پیش کر رہا ہوں تو آخر آپ کیوں نہیں جماعت میں مجھے شامل ہونے کا موقع دیتے۔ داڑھی کوئی ایک دن میں تو نہیں اگ سکتی اور کپڑے اتار کر یہاں ننگا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ مجھے موقع تو دیجئے۔ مولانا مودودیؒ صاحب کی تجویز پر مجھے امتحاناً" اس شرط کے ساتھ جماعت میں شامل کر لیا گیا کہ اگر چھ ماہ کے اندر میں نے اپنے ذریعۂ معاش اور دوسری قابلِ اصلاح چیزوں کو درست کر لیا تو رکنیت برقرار رہے گی ورنہ ساقط کر دی جائے گی" (تحریکِ اسلامی مرتب خورشید احمد ادارہ چراغِ راہ' کراچی نومبر ۱۹۶۳ء' نیز تذکرۂ مودودیؒ ص ۲۳' ۲۴) یہ واقعہ اگرچہ میاں صاحب کی ذات سے تعلق رکھتا ہے' لیکن جماعت کی تاریخ کے نقطہ نظر سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے دو کردار ابھر کر سامنے آتے ہیں' ایک کردار میاں صاحب کا ہے کہ وہ جس مصمم ارادے کے ساتھ جماعت میں شریک ہوئے'

اس پر آج پچاس سال بعد ان سطور کے قلمبند ہونے تک قائم ہیں، یہی نہیں وہ راہِ حق میں اس طرح گامزن ہوئے کہ آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ آخر کار سید صاحبؒ کے جانشین منتخب کیے گئے۔ دوسرا کردار مولانا محمد منظور نعمانی کا ہے جنھوں نے میاں صاحب کی غیر متشرع وضع قطع اور لباس وغیرہ پر اعتراض کر کے جماعت میں شرکت کی مخالفت کی، وہ بمشکل چند قدم ہی اس راہ پر چل سکے جسے ان کے علم و فضل نے خود راہِ حق تسلیم کیا تھا اور اسے حق تسلیم کر کے ہی جماعت میں شریک ہوئے تھے، یہی نہیں کہ وہ صرف چند قدم چل سکے بلکہ وہ اپنے طرزِ عمل سے جماعت اسلامی کو ایک شدید بحران سے دوچار کرنے کا ذریعہ بنے اور اس کی سعی کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسرے صاحب جنھوں نے میاں صاحب کو جماعت میں شامل کرنے کی مخالفت اور مولانا محمد منظور نعمانی کی تائید کی تھی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی تھے (تحریکِ اسلامی مرتبہ خورشید احمد ص ۲۵۱) جو اس بحران میں نعمانی صاحب کے ساتھ جماعت سے نکل گئے۔ نوٹ: مولانا محمد جعفر شاہ صاحب نے میرے داخلے کی مخالفت نہیں کی بعض دوسرے حضرات تھے جن کو میں نہیں جانتا (طفیل محمد)

۴۱ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۰

۴۲ـ تذکرۂ سید مودودیؒ ص ۲۳

۴۳ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۰

۴۴ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۰ـ۱۳

۴۵ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۳ـ۱۶

۴۶ـ تاریخ جماعتِ اسلامی (قلمی مسودہ) از سید نقی علی ص ۳۰۰

۴۷ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۶

۴۸ـ مکاتیب سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۲۷

۴۹ـ روداد جماعتِ اسلامی حصہ اوّل ص ۱۷ـ۱۸

۵۰ـ روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل ص ۱۸

۵۱ـ ایضاً ص ۱۸ـ۱۹

۵۲ـ ایضاً

۵۳ـ

Islam in Modern History (The New American Library

Hentfor Book New York 1957) P.235.